مغرب، مساواتِ مرد و زن اور اسلام

ذیل کی تحریر یونیورسٹی کی ایک عزیزہ طالبہ کے سوالات کے جواب میں لکھی گئی، جن کو ایم۔اے کی ڈگری کے لیے مقالہ لکھنا تھا۔ (ن۔ص)

مغرب میں اصلاحِ مذہب (REFORMATION) اور احیائے علوم (RENAISSANCE) کی تحریکوں کے بعد لبرلزم کی تحریکیں معاشرے پر اس طرح اثر انداز ہوئیں کہ نظامِ مذہب و اخلاق کی چولیں ہل گئیں۔ ناقص، مرکب اور جامد مذہبیت نے عقلی بیداری کا مقابلہ کلیسا کی قائم کردہ ایسی جبر کیش عدالتوں (INQUISITIONS) سے کیا جن میں دلیل، وکیل اور اپیل کے لیے کوئی راستہ نہ تھا۔ ان عدالتوں نے ہر اختلافی آواز پر، خواہ کتنی ہی مبنی بر صداقت اور ثابت بہ مشاہدہ ہو، نہایت اہم لوگوں پر سنگین اور بہیمانہ سزائیں نافذ کیں اور ان سزاؤں کا نشانہ بڑی کثیر تعداد بنی۔ مگر جبریت کا ہتھیار بڑی جلدی کُند ہو جاتا ہے، چنانچہ مذہبیت کے خلاف علمی اور عقلی دائروں میں ایسی بغاوت اُبھری کہ جس نے اجتماعی زندگی کے تمام معاملات سے مذہب کو بے دخل کر دیا اور انفرادی معاملات میں ہر فرد کو آزادی دلوا دی کہ جس کا جو جی چاہے، سوچے اور کرے۔

مذہب و اخلاق کی اس شکست کے دور میں خاندانی نظام ایک ایسی پناہ گاہ تھا، جہاں عقیدے اور اخلاقی روایات سر چھپائے ہوئے تھیں، مگر صنعتی انقلاب جب نمودار ہوا تو اُس نے خاندانی نظام کو بھی تہس نہس کر دیا۔

ایسی فضا تھی کہ مشین ایجاد ہوئی اور کارخانے کھلنے لگے اور مزدوروں کی نئی مارکیٹ کھل گئی۔ اس مارکیٹ میں جہاں مشین کی وجہ سے بے روزگار ہونے والے محنت کش آنے لگے، وہاں دیہات سے بھی لوگ نقد آمدنی کے لالچ میں لپکے۔ آمدنی تو تھی مگر شہر کے اخراجات بھی زیادہ تھے، اس لیے لوگ عورتوں کو بھی مزدوری کے لیے ساتھ لانے لگے۔ یہ سیلاب جب بڑھا تو کارخانوں میں مردوں اور عورتوں کے اکٹھے کام کرنے سے اور تنگ جگہوں میں مل جل کر رہنے سے علیحدگی صنفین اور شرم و حیا اور عورتوں کی مخصوص فطری ذمہ داریوں کے تصورات کچلے جانے لگے۔ یہ سلسلہ جوں جوں آگے بڑھا، نسوانیت، جنسی رابطے اور عصمت و عفت کے نئے نئے نظریے وجود میں آتے گئے۔ ازاں جملہ ایک نظریہ "مساواتِ مرد و زن" کا نظریہ بھی تھا۔ جس کے معنی یہ تھے کہ عورت فطرت کی عائد کردہ اختصاصی ذمہ داریاں بھی ادا کرے۔ اور اس کے ساتھ ان سخت کاموں میں بھی زیادہ سے زیادہ حصہ لے جو فطری لحاظ سے مرد کے لیے خاص تھے ــــ ساتھ کے ساتھ تیسری ذمہ داری عورت کے سر یہ بھی آپڑی کہ وہ ہر ادارے اور شعبے میں بن سنور کر مرد کی تفریح کا سامان بھی بنے اور عیش و طرب کے اڈوں میں اپنی خدمات پیش کرے۔ اس نظریۂ مساوات نے چونکہ عورت کو خاندانی قوامیت سے بالکل آزاد قرار دیا اور اس کا کوئی ولی اور نگہبان نہ رہا، اس لیے وہ نظریۂ مساوات کے نشے میں بہک کر وقت کی لہروں میں بہ نکلی۔

مغرب کے نظریۂ مساواتِ مرد و زن کے غلط پہلو یہ ہیں:

۱ــــ مساواتِ حقوق کے بجائے فرائضِ نسوانیت کی زیادتی اس میں مضمر ہے، یعنی عورت کو عورت کے فرائض بھی انجام دینے چاہییں اور جو کام مرد کرتا ہو وہ سب بھی عورت کو کرنے چاہییں۔

۲ــــ عورت مرد کی قوامیت (لیڈرشپ) سے آزاد ہے، نہ اس کا کوئی ولی ہے اور نہ قوام ــــ اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ خاندانی نظام کالعدم ہوا۔

۳ــــ عورت کی کفالت یا اس کے تحفظ کی ذمہ داری مرد پر اصولاً نہیں ہے (بس روایتاً کچھ چیزیں باقی ہیں)، وہ اپنی کمائی خود کرے اور اپنا تحفظ آپ کرے، یعنی وہ اب معاشرے

بس ایک سستا شکار ہے تمام مردوں کے لیے[1]۔ جو بھی حسن و خوبی سے اسے دام میں لے سکے، لے لے۔ کوئی تیسرا دخل دینے والا نہیں ہے۔

۴۔ اِس نظریۂ مساوات نے حقیقی مساوات کو اس لیے درہم برہم کر دیا کہ عورت پر پرورشِ نسل کی جو ذمہ داری فطرت نے ڈالی تھی وہ تو اپنی جگہ پر قرار ہے اور اسے کوئی مرد انجام نہیں دے سکتا[2]۔ اس کے ساتھ اسے مرد کے تمدنی فرائض کا بوجھ بھی اُٹھانا پڑتا ہے اور وہ اپنی جس نسائیت کو پہلے ایک مرد کے لیے سرمایۂ تسکین بناتی تھی، اب اُسی کو وہ دولت کی خاطر صد ہزار مردوں کے لیے استعمال کرتی ہے، یعنی مرد کے اکہرے بوجھ کے مقابلے میں عورت پر تہرا بوجھ پڑ گیا ہے۔

۵۔ اِس نظریۂ مساوات کی وجہ سے بیشتر صورتوں میں ازدواجی تعلق کا حال ایسا ہو گیا ہے جیسے ایک نیام میں دو تلواریں ہوں۔ نتیجہ یہ کہ جدید مغربی عورتوں کی ایک بڑی تعداد ماری ماری پھرتی اور طرح طرح سے ذلیل ہوتی ہے، مگر کوئی اُس سے شادی کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔

---

[1] عیش و طرب کے تمام ادارے، بدکاری کے تمام اڈے، منشیات کے کاروبار کے مراکز جن سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہیں، وہ روپیہ دے کر عورت کو جیسے چاہیں استعمال کرتے ہیں، وہ روپے کی خاطر اسٹیجوں پر عریاں ہو سکتی ہے، بلیو فلموں میں انتہائی شنیع و مکروہ کردار ادا کر سکتی ہے، سرمایہ دار جو کچھ چاہیں وہ اسے بھگتنا پڑتا ہے۔ پھر حکومتوں کے جاسوسی ادارے اور مجرموں کی تنظیمیں عورتوں کو اپنا آلۂ کار بناتی ہیں۔ فلم کے کاروبار کو چمکانے کے لیے اور دفتروں کی پروڈکشن بنانے کے لیے بھی عورت کو کام میں لایا جاتا ہے، حتیٰ کہ اشیا کے لیبلوں اور اشتہارات کو عورت کی تصاویر کے ذریعے دلکش بنایا جاتا ہے۔

[2] شاید اب ٹسٹ ٹیوب بچوں کا تجربہ عورت کا بوجھ ہلکا کر دے، مگر اس کی خرابیوں کا ازالہ مشکل ہے۔

۳۵ - ۴۰ سال تک انتظار کرنے کے بعد آخرِ دورِ یاس شروع ہو جاتا ہے اور اس دوران میں یہ مسترد شدہ عورتیں گھاٹ گھاٹ کا پانی پیتی پھرتی ہیں۔ عورت کے ہاتھوں میں جب سے نظریۂ مساوات نے تلوار تھمائی ہے اس کے بعد مغربی معاشروں میں آہستہ آہستہ ہم جنسی اختلاط کی وبا پھیلتی رہی ہے، یہاں تک کہ اب تو ہم جنسی شادیاں علی الاعلان ہونے لگی ہیں۔ اور قانون نے ان کو جائز قرار دے دیا ہے۔ ازدواجی تعلق میں نظریۂ مساوات نے جو رخنے ڈالے ہیں ان کی وجہ سے کنواری ماؤں اور حرام اولادوں کا تناسب مسلسل بڑھ رہا ہے۔ یہ صورتِ احوال خود گواہ ہے کہ بُرے نتائج کی بنیاد اسی غلط نظریے پر ہے۔

(۲)

اسلام میں بہ حیثیت انسان بھی مرد اور عورت برابر ہیں اور بہ حیثیت مسلمان بھی اور اعتقادی لحاظ سے بھی ان میں مساوات ہے، یعنی دونوں کے لیے ایک ہی نظامِ عقائد ہے۔ دونوں کے جنت میں مقیم رہنے، دونوں کے اکٹھے لغزش کھانے اور دونوں کے زمین پر بھیجے جانے اور دونوں کی طرف سے توبہ کرنے اور توبہ قبول کیے جانے کے احوال یکساں ہیں۔ اخلاقی لحاظ سے دونوں میں مساوات ہے، یعنی دونوں کے لیے فضائلِ اخلاق اور رذائلِ اخلاق کی راہیں ایک جیسی ہیں۔ دونوں کے نیکی اور بدی کرنے کا بدلہ یکساں ہے، دونوں میں سے تقویٰ میں جو جتنا بڑھ جائے اتنا ہی مرتبہ وہ پا سکتا ہے۔ دونوں کے لیے حلال و حرام کی حدود مقرر ہیں، دونوں میں سے جس کو تکلیف پہنچے وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتا ہے اور دونوں میں سے جو بھی مجرم ہو وہ اپنی مقررہ سزا پائے گا۔ ایک کے جرم کی سزا دوسرے کو نہیں دی جا سکتی۔ علمی لحاظ سے دونوں پر علمِ دین حاصل کرنا فرض اور بعض دوسرے علوم حاصل کرنا مستحب اور مندوب ہے۔ دونوں پر دعوتِ حق کے پھیلانے کی ذمہ داری برابر ہے۔ دونوں کو رائے دہی اور تنقید و محاسبہ کا حق بھی ایک ہی جیسا ملا ہے۔ دونوں معاشی ملکیت کے لحاظ سے بھی ایک ہی سطح پر ہیں۔ جس کی جو ملکیت ہو اس میں وہ ہر جائز تصرف کر سکتا ہے۔

دونوں میں دو بڑے بنیادی فرق ان کی فطری صلاحیتوں اور جسمانی ساخت اور ذمہ داریوں کے لحاظ سے ہیں:

پہلا فرق یہ ہے کہ تمدن کے تمام سخت اور بھاری اور بیرونِ خانہ کے کام مرد کے ذمہ ڈالے گئے ہیں، اور عورت پر اصل بنیادی ذمہ داری نسلوں کی پرورش اور گھر کی فضا کو سنوار کر اس میں ان کی تربیت کرنے کی ہے، اس کے ساتھ کچھ ہلکے پھلکے آسان مشاغل بھی وہ اختیار کر سکتی ہے اور بعض ناگزیر تمدنی ضروریات کے لیے گھر سے باہر بھی استثنائی طور پر کام کر سکتی ہے، جیسے عورتوں کی تعلیم، عورتوں میں دعوت و تبلیغ کا کام، عورتوں کا علاج معالجہ وغیرہ۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ چونکہ نسائیت میں ایک جنسی کشش اور آکساہٹ فطرت نے رکھی ہے اور مردمیں اشتعال پذیری اور رجاریت، اور اگر مشتعل جذبوں کی راہ میں عملی رکاوٹیں ہوں تو ذہنوں کے اندر مسلسل آتش فشانی کی وجہ سے تعمیری قوتوں کی تباہی، اس لیے عین فطری بنیادوں پر ضروری ہوا کہ معاشرے کو فطری ہیجانات اور بدکاری سے بچانے کے لیے علیحدگی صنفین کا اصول اختیار کیا جائے۔ اسی لیے عورت کو حکم ہوا کہ وہ اپنا اصل دائرہ کار گھر کو بنائے، گھر سے باہر نکلے تو حجاب کے قانون پر عمل کرے اور مخلوط مجالس اور تقاریب میں بے محابا شرکت نہ کرے۔

یہ دونوں فرق ایسے ہیں جو عورت سے کچھ چھینتے نہیں بلکہ اُسے تحفظ اور امن اور سلامتی دلواتے ہیں۔

باقی چند فروق جزئی ہیں، جو انہی دو اصولی باتوں کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ یہ ہیں:

۱۔ گھر اور خاندان کے نظامِ کار کی تشکیل یوں کی گئی ہے کہ عورت گھر کا داخلی نظم و نسق چلائے گی مگر پورے نظام کی لیڈرشپ مرد کے ہاتھ میں ہوگی، جس کے ساتھ اس پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ عورت کی حفاظت و کفالت کا ذمہ دار ہو۔

۲۔ عورت کو تاکید کی گئی کہ مرد کی اطاعت (فی المعروف) کرے اور نشوز نہ کرے، دوسری طرف مردوں کو تلقین کی گئی کہ عورتوں سے حسنِ سلوک کریں اور ان سے ملاطفت سے پیش آئیں۔ حضورؐ نے فرمایا تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا رویہ رکھتا ہے۔ مرد کو بتایا گیا کہ یہ خدا کی طرف سے تمہارے پاس امانت ہے، تم نے اللہ کے نام پر ان کے جسموں کو اپنے لیے حلال کیا ہے، لہٰذا ان سے حسن و خوبی کا برتاؤ کرو۔

۳۔ مرد کو جو لیڈرشپ دی گئی ہے اس کی وجہ سے وہ باپ، بھائی یا دادا یا کوئی

اور قریبی رشتہ رکھتے ہوئے عورت کو کسی کے نکاح میں دینے کے لیے "ولی" بنتا ہے۔ ولی کے ہوتے ہوئے عورت کا از خود نکاح کر لینا اچھی صورت نہیں، الّا آنکہ اس کا ولی ایمانی یا اخلاقی رویّے کے لحاظ سے اپنا فرض سچائی اور انصاف کے ساتھ ادا نہ کر سکتا ہو، یا اُسے کسی وجہ سے عورت سے بغض ہو اور وہ اُسے نقصان پہنچانا چاہے۔

۴ ــ عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ شوہر کے گھر میں رہے، نکلے تو اُس کی اجازت سے نکلے، اور جس کسی کا گھر میں آنا اُس کو پسند نہ ہو، اُسے نہ آنے دے۔

۵ ــ عورت کی کفالت پہلے حصّۂ عمر میں ماں باپ کے گھر کی ذمہ داری ہوتی ہے اور بعد میں شوہر کی۔ پھر اُسے جو جہیز، مہر یا میراث کا حصّہ کسی کی طرف سے ملتا ہے تو وہ اُس کی بالکلیہ مالک ہوتی ہے۔ اور کسی کی کفالت کی قانونی ذمہ داری اس پر نہیں ہے۔

اِن وجوہ سے ۲ چیزوں میں فرق آجاتا ہے:

ا ــ ایک یہ کہ وہ میراث میں مرد کے مقابلے میں ہر قسم کی صورت میں نصف حصّہ پاتی ہے۔

ب ــ دوسرے یہ کہ چونکہ اس پر کسی کی کفالت کا انحصار نہیں ہے، اس لیے قتلِ خطا میں (اور صرف قتلِ خطا میں) وہ اگر مقتول ہو جائے تو قاتل کے عاقلہ (خاندان یا دوسری مؤثر گروہ بندیوں) کی طرف سے بطور کفارہ اس کے پس ماندگان کو نصف دیت ملے گی۔ یہ صرف معاشی و معاشرتی حالات کی بنا پر ہے۔ اس میں عورت مرد کی مساوات میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔[1]

۶ ــ جہاد، تجارت و صنعت، مزدوری اور بیرونِ خانہ کے تمام مشکل کاموں سے اس کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے، حتیٰ کہ مسجد میں اس کا نماز پڑھنا اگرچہ کچھ پابندیوں کے ساتھ جائز ہے مگر

---

[1] اس وقت بھی بعض محکموں کے پنشن خواروں کی موت کے بعد نصف پنشن کے حقدار جو لوگ ٹھہرتے ہیں اُن میں مرد و عورت میں فرق کیا گیا ہے۔ اس پر تو مساواتِ مرد و زن کے علم برداروں کی کبھی توجہ نہ ہوئی، لے دے کے سارا کرم شریعت اسلامی پر ہے۔

گھر کی تنہائی میں پڑھی جانے والی نماز افضل ہے۔
اس کے بدل میں شوہر کی دلجوئی، بچوں کی پرورش و تربیت اور دیگر گھریلو کاموں میں عورت کے لیے اتنا ہی اجر رکھا گیا ہے جتنا جہاد اور دوسری بیرونی سرگرمیوں میں مردوں کے لیے ہے۔

۷۔ عورت کو جب گھر کی سلطنت چلانے کے لیے (المرأة راعية على بيت زوجها) ہمہ وقتی کارکن کی حیثیت دی گئی ہے تو اسے ۲ چیزوں سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے:
اول: سیاسی قیادت و امارت سے، جس کے لیے وسیع معاشرتی روابط رکھ کر اور چل پھر کر اچھے اور بُرے احوال کا شعور حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح سپہ سالاری اور دوسرے اعلیٰ عہدوں کا معاملہ ہے۔
دوم: عہدۂ قضا سے، کیونکہ اس کے لیے قانون کو کتابی طور پر پڑھنے کے لیے انسانی معاملات کی وسیع سمجھ بوجھ کی ضرورت ہے۔
یہ دونوں کام پارٹ ٹائم کاموں کی حیثیت سے نہیں ہو سکتے۔
البتہ رائے دہی، تنقید یا احتساب کا سیاسی حق اس کو حاصل ہے اور یہ حق قرونِ اولیٰ میں بھی استعمال ہوتا رہا ہے۔

۸۔ عورت کی گواہی کو بعض کے نزدیک تمام معاملات میں، اور بعض کے نزدیک دیوانی معاملات میں نصف قرار دیا گیا ہے، یعنی ۲ عورتیں اگر مل کر شہادت دیں تو وہ ایک شہادت شمار ہو گی۔ فوجداری معاملات میں تو عورت کا استثنیٰ ہی معقول نظر آتا ہے۔ کیونکہ قتل، مقاتلے، لڑائی دنگے، چوری ڈاکے وغیرہ جرائم میں گھریلو عورت کہاں براہِ راست گواہ بن سکتی ہے اور بنے بھی تو وہ جزئیات و تفاصیل کو کیسے ذہن میں محفوظ رکھ سکتی ہے اور پھر عدالت میں وہ جرح کا مقابلہ کس حد تک کر سکتی ہے؟ وہ تو جرائم کی دنیا سے بہت دور رہتی ہے اور اسے اپنے فرائضِ منصبی کے لحاظ سے دور رہنا چاہیے۔
لیکن اس میں بھی استثنیٰ ہیں: ایک یہ کہ اگر گھر میں مجرم داخل ہو کر قتل یا چوری کرتے ہیں اور وہ تنہا ہی اس کی گواہ بن سکتی ہے تو اس کی گواہی قابلِ قبول ہو گی۔ اگر عورتوں کے کسی مجمع میں کوئی

جرم ہو جاتا ہے تو عورتیں ہی اس کی گواہی دینے والی ہو سکتی ہیں۔ اسی طرح نسوانی معاملات، مثلاً حمل، رضاعت اور اس قسم کے دوسرے معاملات میں عورتوں ہی سے گواہی لی جائے گی۔

عام فوجداری مقدمات میں بھی قانون یہ ہے کہ محض کسی عورت کی شہادت پر حد جاری نہیں کی جاسکتی[1] اس کے ساتھ اور بھی گواہیاں اور قرائن ہونے چاہئیں۔ پھر حد جاری ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اگر جرم قرائن کی مدد سے ثابت ہو جائے تو کوئی تعزیر بھی نہیں دی جاسکتی۔

عورت کے لئے یہ ممانعت نہیں ہے کہ وہ کسی فوجداری جرم کے سلسلے میں عدالت میں داخل نہیں ہو سکتی۔ وہ جاسکتی ہے، اپنی گواہی ریکارڈ کرا سکتی ہے جسے دوسری شہادتوں اور قرائن کے ساتھ رکھ کر دیکھا جائے گا۔ بہ حیثیت مدعی بھی وہ استغاثہ لے کر جاسکتی ہے (اور اس صورت میں بھی وہ گواہ ہی ہوتی ہے)۔

اس طرح کے چند جزئی فرق جو بعض اہم حقائق پر مبنی ہیں، اصولِ مساوات کو نہیں توڑتے، جدید نظریہ مساورت کے معنی تو یہ ہیں کہ میز اور کرسی کو برابر قرار دے کر آدمی کرسی کو میز کی جگہ اور میز کو کرسی کی جگہ استعمال کرے ورنہ ان میں عدم مساورت پیدا ہو جائے گی۔

(۳)

مغربی تہذیب یوں تو الحاد کی تہذیب ہے مگر اس کے پیچھے روایت پرست عیسائی ذہن بھی پورے تعصب سے کام کرتا ہے۔ اس تہذیب کے علمبرداروں کو چونکہ پہلے مسلمانوں کی فتوحات نے دہلا دیا تھا، پھر دورِ زوال کے آغاز میں صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کو یروشلم سے کھدیڑا تھا، پھر جب

---

[1] لوگ نہیں سوچتے کہ اکثر مقدمات میں محض ایک مرد کی شہادت پر بھی فیصلہ نہیں ہوتا۔ پھر بدکاری کے مقدموں میں ایک نہیں، تین تین مردوں کی گواہی بھی قبول نہیں کی جاتی۔ چار ہوں تو ان کی شہادت کے ہم آہنگ ہونے پر فیصلہ ہوتا ہے۔ یہاں اگر ایک، دو یا تین مردوں کی توہین نہیں ہوتی اور مرد اور مرد کے درمیان مساوات پر اثر نہیں پڑتا تو قانونی شہادت کے بعض دوسرے اجزا سے مساواتِ مرد و زن پر کیوں اثر پڑتا ہے؟

مغربی استعمار کا اقدام شروع ہوا تو مسلمانوں نے ملک بہ ملک شدید مزاحمت دکھائی۔ اس وجہ سے مغربی دنیا میں ایک شدید مستقل انتقامی جذبہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بڑھتا گیا۔ اب مغرب کی دو صدیوں سے کوشش یہ ہے کہ مسلمان معاشروں کو اسلام کی اعتقادی اور اخلاقی بنیادوں سے اکھاڑ دے اور پھر ان کو تر نوالہ بنائے اور اپنی تہذیب کے لئے جو خطرہ مسلمانوں کی طرف سے اسے دکھائی دے رہا ہے اس کو جلد کچل دے۔

اس مقصد سے فکری کام ہو رہا ہے، علمی و تحقیقی سرگرمیاں جاری ہیں، "ایڈ" کے جال ڈالے جا رہے ہیں، وفود کے تبادلے ہو رہے ہیں، ماہرین مامور کئے جا رہے ہیں، جاسوسی کا عمل جاری ہے، مستشرقین نوجوانوں کو بہکانے کے لئے کام کر رہے ہیں، پادری عیسائیت پھیلانے میں سرگرم ہیں۔ گندی فلمیں اور تصویریں بھجوائی جا رہی ہیں، بے مقصد اور مخالفِ اسلام ادبی نظریات ہم پر ٹھونسے جا رہے ہیں، ثقافت کے عریاں مظاہرے ہیں، بے حیائی پھیلانے کی کوششیں ہیں۔ اور اب مدت کے تجربے کے بعد مغرب نے ہمارے گھروں میں نقب لگا کر عورت کو اپنے طلسم میں جکڑنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں تاکہ گھر کی وہ پناہ گاہ اجڑ جائے جہاں اسلامی اقدار و روایات کو عورت سنبھالے بیٹھی ہے اور وہ نئی نسلوں میں ان کو منتقل کرتی چلی آ رہی ہے اور ادھر ہمارے ہاں کی تعلیمیافتہ عورت ان پڑھ عورتوں سے زیادہ بھولی بھالی نظر آ رہی ہے یعنی بجائے اس کے کہ وہ اس فکری اور ثقافتی استعمار کی یلغار کو تعلیم کے ذریعے سمجھ کر اپنے طور طریقوں پر ڈٹ جاتی اور زمانے کی یورش کا مقابلہ کرتی اور اس کام کے لئے نیم خواندہ اور ان پڑھ عورتوں کو بھی منظم کرتی، اس نے اپنی ماڈرن تنظیموں کے ذریعے ثقافتی استعمار کی ایجنسی سنبھال لی ہے۔ وہ پرائے جال ہاتھ میں لئے پھرتی ہے اور عورتوں اور لڑکیوں کو مائل کرتی ہے کہ اس کے حلقوں میں گردنیں ڈال دو بڑی ترقی کر جاؤ گی۔ وہ دوسری عورتوں کو گھروں سے نکلوانے کے درپے ہے، وہ برقعے اتروا رہی ہے، وہ دوپٹے چاک کرا رہی ہے، وہ سینوں اور بانہوں اور پنڈلیوں کو عریاں کرا رہی ہے، وہ رقص و سرود کے چسکے پھیلا رہی ہے۔ وہ مخلوط مجالس و تقاریب کی وبا کو عام کر کے اس میں زینتوں اور فیشنوں کا مظاہرہ کرانے کا درس دے رہی ہے۔

اور اس ماڈرن، طلسم زدہ مغرب خاتون کے پیچھے یہاں کے الحادی، سیکولر، کمیونسٹ اور دوسرے مخالفِ اسلام حلقے اور ان کے اخبارات بھرپور کام کر رہے ہیں اور اس سلسلے "نیک کام" کی پشت پناہی

الحادی تہذیب کے سامراجی پاسبان کر رہے ہیں۔

اس چڑھتے ہوئے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے حسب ذیل تدابیر ضروری ہیں:

۱۔ عورتوں اور طالبات اور دیگر نوجوان لڑکیوں کے ایسے حلقے قائم ہوں جو قرآن و سنت کے اصولوں کے سانچے میں اپنی زندگیاں ڈھالنے اور قانونِ حجاب کی سچے دل سے مکمل پابندی کرنے، نیز مخلوط اداروں اور مجالس سے پرہیز کرنے کا تہیہ کر لیں، پھر اسی مسلک کی دعوت دوسری خواتین اور طالبات میں پھیلا کر ان کو منظم کریں۔

۲۔ اس مقصد کے لئے جو مفید لٹریچر موجود ہے اس کو پھیلایا جائے اور ساتھ کے ساتھ جیسے لٹریچر کی ضرورت پڑے، تیار کیا یا کرایا جائے۔

۳۔ خواتین اور طالبات کے اجلاسوں اور ادبی نشستوں اور تربیت گاہوں میں مغرب کے فتنہ ہائے ناپاک کی قلعی کھولنے کے علاوہ ماڈرن خواتین اور ان کے حمایتیوں کی حرکات کا کڑا احتساب کیا جائے۔

۴۔ اس وقت "نظریۂ مساواتِ مرد و زن" کے علمبردار مغرب کے معاشروں میں جو گندگیاں پیدا ہو چکی ہیں، اور عورت جس حالِ زار سے دوچار ہے ان موضوعات پر تحقیقی کام کر کے صحیح تصویر سامنے لائی جائے۔

۵۔ مخلوط مجالس کا بر سرِ عام (پبلک) انعقاد ممنوع قرار دلوایا جائے اور بطورِ خاص سرکاری ملازمین اور ان کی بیگمات کے لئے ایسے کسی اجتماع میں شرکت ناجائز قرار دی جائے۔

۶۔ مخلوط تعلیم کا نظام ختم کر دیا جائے اور کوئی مرد کسی زنانہ درس گاہ میں مہمانِ خصوصی بن کر یا انعامات اور اسناد کا تقسیم کنندہ بن کر داخل نہ ہو، سب سے پہلے حکومت سے متعلق لوگوں کو سختی سے روک دیا جائے۔

۷۔ جن دفاتر، ہسپتالوں یا کارخانوں میں عورتیں کام کر رہی ہیں ان کو تاکید کی جائے کہ عورتوں کے لئے الگ کمرے یا الگ جگہ بیٹھنے کا انتظام کریں، نیز عورتوں کو کم سے کم ہلکے درجے کے پردے (یعنی بڑی چادر کا استعمال) کا پابند کیا جائے۔

۸۔ ذی شعور خواتین ڈاکٹر ہسپتالوں میں کام کرتے ہوئے یا دوسری جگہوں میں برقعے کی پابندی

کریں، چادر کا استعمال بدرجۂ اقل گوارا کیا جا سکتا ہے۔[۱]

۹۔ طب یا تعلیم یا کسی اور شعبے میں عورتوں کی بھرتی کرنے کے لئے انٹرویو لینے والے بورڈ عورتوں ہی پر مشتمل ہونے چاہئیں۔

۱۰۔ خواتین مریضوں کو ہسپتالوں میں لیڈی ڈاکٹر یا لیڈی ہیلتھ وزیٹرز ہی اٹنڈ کریں خصوصاً زچگی کے دائرے میں کسی مرد کی دخل اندازی ممنوع ہونی چاہیئے اور اس قاعدے کو نافذ کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ زنانہ ہیلتھ سنٹر قصبوں اور بڑے دیہات تک میں کھولے جائیں اور تمام ہسپتالوں میں خواتین مریضوں کے لئے لازماً لیڈی ڈاکٹرز موجود ہوں۔

۱۱۔ خواتین اور طالبات کے لئے ہر بڑے شہر اور قصبے میں کھیل کے ایسے باپردہ میدان بنائے جائیں جن کے گرد چار دیواری ہو اور جن میں کسی مرد کو جانے کی اجازت نہ ہو۔

۱۲۔ نصابیات کی چھان بین کر کے دیکھا جائے کہ سنجیدہ سطح سے گرا ہوا فحش مواد اگر ان میں پایا جائے تو اُسے نکال دیا جائے۔

۱۳۔ خواتین کی کوئی تصویر چھوٹے سے مقررہ سائز سے زیادہ سائز کی، اخبارات و جرائد میں چھاپنا ممنوع کر دیا جائے۔ اور وہ صرف ایسی اہم خبروں کے ساتھ استعمال ہوں جن کے ساتھ تصویر کے ہونے کی اہمیت واضح ہو۔ عموماً خواتین کی تصاویر بناؤ سنگھار اور فیشنوں کے ساتھ شائع نہ کی جائیں اور نہ آراستہ کیے ہوئے کھلے سروں میں دکھائی جائیں۔

---

[۱] قرآنی جلباب کا استعمال بالکل اور طرح تھا۔ ایک لمبی چوڑی چادر لی جاتی جس میں تمام جسم اور پورا لباس ڈھنپ جاتا اور جس کے پلو چہرے پر اس طرح پکڑ کے رکھے جاتے کہ آنکھیں یا پیشانی اور ناک تو سامنے ہوں باقی چہرہ چھپا رہے، مگر آج کل چادر اوّل تو ایسی ڈیزائن دار استعمال کی جاتی ہے جو بجائے خود زینت کی تعریف میں داخل ہے، مزید یہ کہ جلباب سے چھوٹی ہوتی ہے پھر اُسے اس طرح اوڑھا جاتا ہے کہ پردہ پوشی کا حق ادا نہیں ہوتا۔ جلباب تمدنی ترقی کے ساتھ برقعے میں اس لیے بدلی تھی کہ چادر تیز ہوا میں اُڑتی ہو تو اُس کا تھامنا مشکل ہو جاتا۔ اس چادر کی اسی طرح سلائی کر دی گئی کہ وہ جسم سے الگ نہ ہو اور زینتوں کے اخفا میں ناکام نہ ہو۔

۱۴ر قرونِ اُولیٰ کی خواتین کے اعلیٰ اسلامی کردار کو نصابی مواد میں پیش کیا جائے۔

۱۵ر سیاست بازی اور جاہ طلبی سے بچ کر اگر کچھ خواتین عورتوں کے مسائل حل کرنے کے لیے ان کی نمائندگی کسی حکومتی ایوان میں کریں تو ان پہ پابندی ہونی چاہیئے کہ وہ پردے میں بیٹھیں اور ان کے لئے بنچ ایک طرف لگایا جائے تاکہ لوگ انہیں زیادہ گھوریں نہیں۔

معیاری صورت یہ ہوگی کہ ایک الگ ایوان، ایوانِ خواتین کے نام سے قائم ہو جس کی نشستوں کی تعداد کم رکھی جائے اور خواتین مندوب خواتین ہی کے ووٹوں سے منتخب ہوں۔ اس طرح خواتین ووٹروں کو اس مصیبت سے آزاد کرایا جاسکتا ہے کہ وہ مردوں کے لئے ووٹ دیتے ہوئے پولنگ سٹیشنوں پر خراب ہوتی پھریں اور عیار مردوں کا پیسہ انہیں جعلی ووٹنگ کے ڈرامے کا گھٹیا کردار بنا دے۔

۱۶ر فوج اور پولیس کے سلسلے میں بھی خواتین کی جس قدر خدمات ضروری ہوں (خصوصاً شہری دفاع کے لئے) ان کو ٹریننگ بھی عورتوں کے ذریعے دلوائی جائے اور ان سے کام بھی کسی خاتون افسر کی نگرانی میں لیا جائے۔ اِس افسر یا کسی دوسری خاتون کو اگر مردوں کے دفتروں میں جانا پڑے یا کسی مرد افسر سے رابطہ قائم کرنا پڑے تو وہ پردے کی پابندی میں رہیں۔

۱۷ر فلموں اور ٹیلیویژن کی نگرانی کی جائے اور ان کے لئے ہدایات جاری کی جائیں کہ وہ عورتوں کے وقار کے خلاف کوئی چیز نہ لائیں اور نہ کسی منظر اور پروگرام میں فحش پن پیدا ہونے دیں اور نہ غلط رجحانات کے لئے کوئی اکساہٹ شامل کریں۔

ان تدبیروں سے مسلم خاتون کو اس سیلاب سے بچایا جاسکتا ہے جو عرصہ سے ہمارے اوپر ٹوٹ پڑا ہے اور جن قوتوں کو سیلاب کے آگے رکاوٹ پیدا کرنی تھی وہ خود اس سیلاب کا شکار بننے کی دعوت قوم اور اس کی خواتین کو دے رہے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْ۔